سلامتی کا راستہ
مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

سلامتی کا راستہ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلامتی کا راستہ

یہ خطبہ ریاست کپورتھلہ (موجودہ پنجاب) میں ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں کے ایک مشترکہ اجتماع سامنے عرض کیا گیا تھا۔

صاحبو! اگر کوئی شخص آپ سے کہے کہ بازار میں ایک دُکان ایسی ہے، جس کا کوئی دکان دار نہیں ہے، دکان خود بخود چل رہی ہے، خود بخود اس میں مال آجاتا ہے اور خود بخود خریداروں کے ہاتھ فروخت ہو جاتا ہے؛ تو کیا آپ اس شخص کی بات مان لیں گے؟ کیا آپ تسلیم کرلیں گے کہ کسی دکان میں مال لانے والے کے بغیر خود بخود بھی مال آسکتا ہے؟ مال بیچنے والے کے بغیر خود بخود مال فروخت بھی ہوسکتا ہے۔ حفاظت کرنے والے کے بغیر خود بخود چوری اور لوٹ سے محفوظ رہ سکتا ہے؟ اپنے دل سے پوچھیے، ایسی بات آپ کبھی مان سکتے ہیں؟ جس کے ہوش وحواس ٹھکانے ہوں، کیا اس کی عقل میں یہ بات کبھی آسکتی ہے کہ کوئی دکان دُنیا میں ایسی بھی ہوگی؟

فرض کیجیے، ایک شخص آپ سے کہتا ہے کہ اس شہر میں ایک کارخانہ ہے، جس کا نہ کوئی مالک ہے، نہ انجنیئر، نہ مستری۔ سارا کارخانہ خود بخود قائم ہوگیا ہے۔ ساری مشینیں خود ہی بن گئیں۔ خود ہی سارے پُرزے اپنی اپنی جگہ لگ بھی گئے، خود ہی ساری مشینیں چل بھی رہی ہیں، اور خود ہی اُن میں سے عجیب عجیب چیزیں بَن بَن کر نِکل بھی رہی ہیں۔ سچ بتایئے، جو شخص آپ سے یہ بات کہے گا، آپ حیرت سے اس کا مُنھ نہ تکنے لگیں گے؟ آپ کو یہ شُبہ نہ ہوگا کہ اس کا دماغ کہیں خراب تو نہیں ہوگیا ہے؟ کیا ایک پاگل کے سوا ایسی بیہودہ بات کوئی کہہ سکتا ہے؟

دُور کی مثالوں کو چھوڑیے۔ یہ بجلی کا بلب جو آپ کے سامنے جَل رہا ہے، کیا کسی کے کہنے سے آپ یہ مان سکتے ہیں کہ روشنی اس بلب میں آپ سے آپ پیدا ہو جاتی ہے، یہ کُرسی جو

آپ کے سامنے رکھی ہے، کیا کسی بڑے سے بڑے فاضل فلسفی کے کہنے سے بھی آپ یہ باور کر سکتے ہے کہ یہ خود بخود بن گئی ہے؟ یہ کپڑے جو آپ پہنے ہوئے ہیں، کیا کسی علّامۂ دہر کے کہنے سے بھی آپ یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے کہ اِن کو کسی نے بُنا نہیں ہے، یہ خود ہی بُن گئے ہیں؟ یہ گھر جو آپ کے سامنے کھڑے ہیں اگر تمام دُنیا کی یونیورسٹیوں کے پروفیسر مل کر بھی آپ کو یقین دِلائیں کہ ان گھروں کو کسی نے نہیں بنایا ہے، بلکہ یہ خود بن گئے ہیں، تو کیا ان کے یقین دِلانے سے آپ کو ایسی لغویات پر یقین آجائے گا؟

یہ چند مثالیں آپ کے سامنے کی ہیں، رات دن جن چیزوں کو آپ دیکھتے ہیں اُنھیں میں سے چند ایک میں نے بیان کی ہیں۔ اب غور کیجیے، ایک معمولی دُکان کے متعلق جب آپ کی عقل یہ نہیں مان سکتی کہ وہ کسی قائم کرنے والے کے بغیر قائم ہو گئی اور کسی چلانے والے کے بغیر چل رہی ہے۔ جب ایک ذرا سے کارخانے کے متعلق آپ یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے کہ وہ کسی بنانے والے کے بغیر بن جائے گا اور کسی چلانے والے کے بغیر چلتا رہے گا تو یہ زمین و آسمان کا زبردست کارخانہ، جو آپ کے سامنے چل رہا ہے، جس میں چاند اور سُورج اور بڑے بڑے سیّارے گھڑی کے پُرزے کی طرح حرکت کر رہے ہیں۔ جس میں سمندروں سے بھاپیں اُٹھتی ہیں۔ بھاپوں سے بادل بنتے ہیں، بادلوں کو ہَوائیں اُڑا کر زمین کے کونے کونے میں پھیلاتی ہیں۔ پھر ان کو مُناسب وقت پر ٹھنڈک پہنچا کر دوبارہ بھاپ سے پانی بنایا جاتا ہے۔ پھر وہ پانی بارش کے قطروں کی صورت میں زمین پر گرایا جاتا ہے۔ پھر اس بارش کی بدولت مُردہ زمین کے پیٹ سے طرح طرح کے لہلہاتے ہوئے درخت نِکالے جاتے ہیں، قسم قسم کے غلّے، رنگ برنگ کے پھل اور وضع وضع کے پھُول پیدا کیے جاتے ہیں۔ اس کارخانے کے متعلق آپ یہ کیسے مان سکتے ہیں کہ یہ سب کچھ کسی بنانے والے کے بغیر خود بن گیا اور کسی چلانے والے کے بغیر خود چل رہا ہے۔ ایک ذرا سی کُرسی، ایک گز بھر کپڑے، ایک چھوٹی سی دیوار کے متعلق کوئی کہہ دے کہ یہ چیزیں خود بنی ہیں، تو آپ فوراً فیصلہ کر دیں گے کہ اِس کا دماغ چل گیا ہے۔ پھر بھلا اس شخص کے دماغ کی خرابی میں کیا شک ہو سکتا ہے جو کہتا ہے کہ زمین خود بن گئی، جانور خود پیدا ہو گئے، انسان جیسی حیرت انگیز چیز آپ سے آپ بن کر کھڑی ہو گئی۔

آدمی کا جسم جن اجزا سے مل کر بنا ہے، ان سب کو سائنس دانوں نے الگ الگ کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ کچھ لوہا ہے، کچھ کوئلہ، کچھ گندھک، کچھ فاسفورس، کچھ کیلشیم، کچھ نمک، چند

گیسیں اور بس ایسی ہی چند اور چیزیں، جن کی مجموعی قیمت چند رُوپیوں سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ چیزیں جتنے جتنے وزن کے ساتھ آدمی کے جسم میں شامل ہیں، اتنے ہی وزن کے ساتھ انھیں لے لیجیے اور جس طرح جی چاہے ملا کر دیکھ لیجیے۔ آدمی کسی ترکیب سے نہ بن سکے گا۔ پھر کس طرح آپ کی عقل یہ مان سکتی ہے کہ ان چند بے جان چیزوں سے دیکھتا سُنتا، بولتا، چلتا، پھرتا انسان، وہ انسان جو ہوائی جہاز اور ریڈیو بناتا ہے، کسی کاریگر کی حکمت کے بغیر خُود بخُود بن جاتا ہے؟

کبھی آپ نے غور کیا کہ ماں کے پیٹ کی چھوٹی سی فیکٹری میں کس طرح آدمی تیّار ہوتا ہے؟ باپ کی کارستانی کا اس میں کوئی دخل نہیں، ماں کی حکمت کا اس میں کوئی کام نہیں۔ ایک ذرا سی تھیلی میں دو کیڑے جو خُردبین کے بغیر دیکھے تک نہیں جاسکتے، نہ معلوم کب آپس میں مِل جاتے ہیں۔ ماں کے خُون ہی سے ان کو غذا پہنچنی شروع ہوتی ہے، وہی لوہا، گندھک، فاسفورس وغیرہ تمام چیزیں، جن کا میں نے اُوپر ذکر کیا ہے، ایک خاص وزن اور خاص نسبت کے ساتھ وہاں جمع ہو کر لوتھڑا بنتی ہیں، پھر اس لوتھڑے میں جہاں آنکھیں بنی چاہییں وہاں آنکھیں بنتی ہیں، جہاں کان بننے چاہییں وہاں کان بنتے ہیں، جہاں دماغ بننا چاہیے، وہاں دماغ بنتا ہے۔ جہاں دل بننا چاہیے وہاں دل بنتا ہے۔ ہڈی اپنی جگہ پر، گوشت اپنی جگہ پر، غرض ایک ایک پُرزہ اپنی اپنی جگہ پر ٹھیک بیٹھتا ہے۔ پھر اس میں جان پڑتی ہے، دیکھنے کی طاقت، سُننے کی طاقت، چکھنے اور سُونگھنے کی طاقت، بولنے کی طاقت، سوچنے اور سمجھنے کی طاقت اور کتنی بے حد وحساب طاقتیں اس میں بھر جاتی ہیں۔ اس طرح جب انسان مکمل ہو جاتا ہے تو پیٹ کی وہی چھوٹی سی فیکٹری جہاں نو مہینے تک وہ بن رہا تھا، خُود زور کر کے اسے باہر دھکیل دیتی ہے اور دُنیا یہ دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے کہ اس فیکٹری میں ایک ہی طریقے سے لاکھوں انسان روز بن کر نکلتے رہتے ہیں، مگر ہر ایک کا نمونہ جُدا ہے، شکل جُدا، رنگ جُدا، آواز جُدا، قوتیں اور قابلیتیں جُدا، طبیعتیں اور خیالات جُدا، اخلاق اور صفات جُدا۔ غرض ایک ہی پیٹ سے نکلے ہوئے دو سگے بھائی تک ایک دُوسرے سے نہیں ملتے۔ یہ ایسا کرشمہ ہے جسے دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس کرشمے کو دیکھ کر بھی جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ کام کسی زبردست حکمت والے، زبردست قدرت والے، زبردست علم اور بے نظیر کمالات رکھنے والے خُدا کے بغیر ہو رہا ہے، یا ہو سکتا ہے، یقیناً اس کا دماغ درست نہیں ہے۔ اس کو عقل مند سمجھنا عقل کی توہین کرنا ہے۔ کم از کم میں تو ایسے شخص کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ کسی معقول مسئلے پر اس سے گفتگو کروں۔

توحید

اچھا، اب ذرا اور آگے چلیے۔ آپ میں سے ہر شخص کی عقل اس بات کی گواہی دے گی کہ دُنیا میں کوئی کام بھی خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، کبھی باضابطگی و باقاعدگی سے نہیں چل سکتا۔ جب تک کہ کوئی ایک شخص اس کا ذمے دار نہ ہو۔ ایک مدرسے کے دو ہیڈ ماسٹر، ایک محکمہ کے دو ڈائرکٹر، ایک فوج کے دو سپہ سالار، ایک سلطنت کے دو رئیس، یا بادشاہ کبھی آپ نے سُنے ہیں؟ اور کہیں ایسا ہو تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ایک دن کے لیے بھی انتظام ٹھیک ہوسکتا ہے؟ آپ اپنی زندگی کے چھوٹے چھوٹے معاملات میں اس کا تجربہ کرتے ہیں کہ جہاں ایک کام کو ایک سے زیادہ آدمیوں کی ذمے داری پر چھوڑا جاتا ہے، وہاں سخت بدانتظامی ہوتی ہے۔ لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں اور آخر ساجھے کی ہنڈیا چوراہے پر پھوٹ کر رہتی ہے۔ انتظام، باقاعدگی، ہمواری اور خوش اسلوبی دُنیا میں جہاں کہیں بھی آپ دیکھتے ہیں وہاں لازمی طور پر کوئی ایک طاقت کارفرما ہوتی ہے، کوئی ایک ہی وجُود با اختیار و با اقتدار ہوتا ہے اور کسی ایک ہی کے ہاتھ میں سرشتہٴ کار ہوتا ہے، اس کے بغیر انتظام کا آپ تصوّر نہیں کرسکتے۔

یہ ایسی سیدھی بات ہے کہ کوئی شخص جو تھوڑی عقل بھی رکھتا ہو، اسے ماننے میں تامّل نہ کرے گا۔ اِس بات کو ذہن میں رکھ کر ذرا اپنے گرد و پیش کی دُنیا پر نظر ڈالیے۔ یہ زبردست کائنات جو آپ کے سامنے پھیلی ہوئی ہے، یہ کروڑوں سیّارے جو آپ کے اُوپر گردش کرتے نظر آتے ہیں، یہ زمین جس پر آپ رہتے ہیں، یہ چاند جو راتوں کو نکلتا ہے، یہ سُورج جو ہر روز طلوع ہوتا ہے، یہ زہرہ، یہ مرّیخ، یہ عطارد، یہ مشتری اور یہ دُوسرے بے شمار تارے جو گیندوں کی طرح گھوم رہے ہیں، دیکھیے! ان سب کے گھومنے میں کیسی سخت باقاعدگی ہے۔ کبھی رات اپنے وقت سے پہلے آتی ہوئی آپ نے دیکھی؟ کبھی دن وقت سے پہلے نکلا؟ کبھی چاند زمین سے ٹکرایا؟ کبھی سُورج اپنا راستہ چھوڑ کر ہٹا؟ کبھی کسی اور ستارے کو آپ نے ایک بال برابر بھی اپنی گردش کی راہ سے ہٹتے ہوئے دیکھا یا سُنا؟ یہ کروڑ ہا سیّارے جن میں سے بعض ہماری زمین سے لاکھوں گنے بڑے ہیں اور بعض سُورج سے بھی ہزاروں گنے بڑے، یہ سب گھڑی کے پُرزوں کی طرح ایک زبردست ضابطے میں کسے ہُوئے اور بندھے ہوئے حساب کے مُطابق اپنی اپنی مقررہ رفتار کے

ساتھ اپنے اپنے مقررہ راستے پر چل رہے ہیں۔ نہ کسی کی رفتار میں ذرہ برابر فرق آتا ہے نہ کوئی اپنے راستے سے بال برابر ٹل سکتا ہے۔ ان کے درمیان جو نسبتیں قائم کردی گئی ہیں۔ اگر ان میں ایک پل کے لیے ذرا سا فرق بھی آجائے تو سارا نظامِ عالم درہم برہم ہوجائے، جس طرح ریلیں ٹکراتی ہیں اسی طرح سیّارے ایک دُوسرے سے ٹکرا جائیں۔

یہ تو آسمان کی باتیں ہیں۔ ذرا اپنی زمین اور اپنی ذات پر نظر ڈال کر دیکھیے، اس مٹی کی گیند پر یہ سارا زندگی کا کھیل جو آپ دیکھ رہے ہیں، یہ سب چند بندھے ہوئے ضابطوں کی بدولت قائم ہے۔ زمین کی کشِش نے ساری چیزوں کو اپنے حلقے میں باندھ رکھا ہے۔ ایک سیکنڈ کے لیے بھی اگر وہ اپنی گرفت چھوڑ دے تو سارا کارخانہ بکھر جائے۔ اِس کارخانے میں جتنے کَل پُرزے کام کررہے ہیں، سب کے سب ایک قاعدے کے پابند ہیں اور اس قاعدے میں کبھی فرق نہیں آتا۔ ہوا اپنے قاعدے کی پابندی کررہی ہے، پانی اپنے قاعدے میں بندھا ہوا ہے۔ روشنی کے لیے جو قاعدہ ہے، اس کی وہ مطیع ہے۔ گرمی اور سَردی کے لیے جو ضابطہ ہے اُس کی وہ غلام ہے۔ مٹی، پتھر، دھاتیں، بجلی، اسٹیم، درخت، جانور کسی میں یہ مجال نہیں کہ اپنی حد سے بڑھ جائے یا اپنی خاصیتوں کو بدل دے، یا کام کو چھوڑ دے جو اس کے سپرد کیا گیا ہے۔

پھر اپنی اپنی حد کے اندر، اپنے اپنے ضابطے کی پابندی کرنے کے ساتھ، اس کارخانے کے سارے پُرزے ایک دُوسرے کے ساتھ مل کر کام کررہے ہیں اور دُنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے، سب اسی وجہ سے ہو رہا ہے کہ یہ ساری چیزیں اور ساری قوتیں مِل کر کام کررہی ہیں۔ ایک ذرا سے بیج کی ہی مثال لے لیجیے، جس کو آپ زمین میں بوتے ہیں، وہ کبھی پرورش پا کر درخت بن ہی نہیں سکتا، جب تک کہ زمین اور آسمان کی ساری قوتیں مِل کر اس کی پرورش میں حِصّہ نہ لیں۔ زمین اپنے خزانوں سے اس کو غذا دیتی ہے، سُورج اس کی ضرورت کے مطابق اسے گرمی پہنچاتا ہے، پانی سے جو کچھ وہ مانگتا ہے وہ پانی دیتا ہے، ہوا سے جو کچھ وہ طلب کرتا ہے، وہ ہوا دیتی ہے۔ راتیں اسے ٹھنڈک اور اوس بہم پہونچاتی ہیں، دن اسے گرمی پہنچا کر پختگی کی طرف لے جاتے ہیں۔ اِس طرح مہینوں اور برسوں تک مسلسل ایک باقاعدگی کے ساتھ یہ سب مِل جُل کر اسے پالتے پوستے ہیں، تب جا کر کہیں درخت بنتا ہے اور اس میں پھل آتے ہیں۔ آپ کی یہ ساری فصلیں جن کے بل بوتے پر آپ جی رہے ہیں انھیں بے شمار مختلف قوتوں

کے بالاتفاق کام کرنے ہی کی وجہ سے تیار ہوتی ہیں۔ بلکہ آپ خود زندہ اسی وجہ سے ہیں کہ زمین اور آسمان کی تمام طاقتیں متفقہ طور پر آپ کی پرورش میں لگی ہوئی ہیں۔ اگر تنہا ایک ہوا ہی اس متفقہ کاروبار سے الگ ہو جائے تو آپ ختم ہو جائیں۔ اگر پانی، ہوا اور گرمی کے ساتھ موافقت کرنے سے اِنکار کر دے تو آپ پر بارش کا ایک قطرہ نہ برس سکے۔ اگر مٹی پانی کے ساتھ اتفاق کرنا چھوڑ دے تو آپ کے باغ سُوکھ جائیں، آپ کی کھیتیاں کبھی نہ پکیں، اور آپ کے مکان کبھی نہ بن سکیں۔ اگر دیا سلائی کی رگڑ سے آگ پیدا ہونے پر راضی نہ ہو تو آپ کے چُولھے ٹھنڈے ہو جائیں اور آپ کے سارے کارخانے یک لخت بیٹھ جائیں۔ اگر لوہا آگ کے ساتھ تعلق رکھنے سے انکار کر دے تو آپ ریلیں اور موٹریں تو درکنار ایک چھری تک نہ بنا سکیں۔ غرض یہ ساری دُنیا جس میں آپ جی رہے ہیں، یہ صرف اِس وجہ سے قائم ہے کہ اس عظیم الشان سلطنت کے سارے محکمے پُوری پابندی کے ساتھ ایک دُوسرے سے مل کر کام کر رہے ہیں اور کسی محکمے کے کسی اہلکار کی یہ مجال نہیں ہے کہ اپنی ڈیوٹی سے ہٹ جائے یا ضابطے کے مُطابق دوسرے محکموں کے اہل کاروں سے اشتراکِ عمل نہ کرے۔

یہ جو کچھ میں نے آپ سے بیان کیا ہے، اس میں کوئی بات جھوٹ یا خلافِ واقعہ ہے؟ شاید آپ میں سے کوئی بھی اسے جھوٹ نہ کہے گا۔ اچھا اگر یہ سچ ہے تو مجھے بتائیے کہ یہ زبردست انتظام، یہ حیرت انگیز باقاعدگی، یہ کمال درجے کی ہمواری، یہ زمین و آسمان کی بے حد و حساب چیزوں اور طاقتوں میں کامل موافقت آخر کس وجہ سے ہے؟ کروڑوں برس سے یہ کائنات یوں ہی قائم چلی آ رہی ہے۔ لکھوکھا سال سے اس زمین پر درخت اُگ رہے ہیں، جانور پیدا ہو رہے ہیں اور نہ معلوم کب سے انسان اِس زمین پر جی رہا ہے۔ کبھی ایسا نہ ہوا کہ، چاند زمین پر گر جاتا، یا زمین سُورج سے ٹکراتی۔ کبھی رات اور دن کے حساب میں فرق نہ آیا، کبھی ہوا کے محکمے کی پانی کے محکمے سے لڑائی نہ ہوئی، کبھی پانی مٹی سے نہ روٹھا اور کبھی گرمی نے آگ سے رشتہ نہ توڑا۔ آخر اِس سلطنت کے تمام صوبے، تمام محکمے، تمام ہرکارے اور کارندے کیوں اس طرح قانون اور ضابطے کی پابندی کیے چلے جا رہے ہیں؟ کیوں ان میں لڑائی نہیں ہوتی؟ کیوں فساد برپا نہیں ہوتا؟ کِس چیز کی وجہ سے یہ سب ایک انتظام میں بندھے ہوئے ہیں؟ اس کا جواب اپنے دل سے پوچھیے۔ کیا وہ گواہی نہیں دیتا کہ ایک ہی خُدا اس ساری کائنات کا بادشاہ ہے۔ ایک ہی کا فرمان

سب پر چل رہا ہے، ایک ہی ہے، جس کی زبردست طاقت نے سب کو اپنے ضابطے میں باندھ رکھا ہے؟ اگر دس بیس نہیں دو خدا بھی اس کائنات کے مالک ہوتے، تو یہ انتظام اس باقاعدگی کے ساتھ کبھی نہ چل سکتا۔ ایک ذرا سے مدرسے کا انتظام تو دو ہیڈ ماسٹروں کی ہیڈ ماسٹری برداشت نہیں کر سکتا۔ پھر بھلا اتنی بڑی زمین و آسمان کی سلطنت دو خداؤں کی خُدائی میں کیسے چل سکتی تھی؟

پس واقعہ صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ دُنیا کسی بنانے والے کے بغیر نہیں بنی ہے، بلکہ یہ بھی واقعہ ہے کہ اس کو ایک ہی نے بنایا ہے۔ حقیقت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ اس دُنیا کا انتظام کسی حاکم کے بغیر نہیں چل رہا ہے بلکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ حاکم ایک ہی ہے۔ انتظام کی باقاعدگی صاف کہہ رہی ہے کہ یہاں ایک کے سوا کسی کے ہاتھ میں حکومت کے اختیارات نہیں ہیں۔ ضابطے کی پابندی مُنہ سے بول رہی ہے کہ اس سلطنت میں ایک حاکم کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا۔ قانون کی سخت گیری شہادت دے رہی ہے کہ ایک، بادشاہ کی حکومت زمین سے آسمان تک قائم ہے۔ چاند، سُورج اور سیارے اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ زمین اپنی تمام چیزوں کے ساتھ اسی کی تابعِ فرمان ہے۔ ہوا اسی کی غلام ہے، پانی اسی کا بندہ ہے، دریا اور پہاڑ اسی کے محکوم ہیں، درخت اور جانور اسی کے مطیع ہیں اور انسان کا جینا اور مرنا اسی کے اختیار میں ہے۔ اس کی مضبوط گرفت نے سب کو پُوری قوت کے ساتھ جکڑ رکھا ہے، اور کوئی اتنا زور نہیں رکھتا کہ اس کی حکومت میں اپنا حکم چلا سکے۔ درحقیقت اس مکمل تنظیم میں ایک سے زیادہ حاکموں کی گنجایش ہی نہیں ہے۔ تنظیم کی فطرت یہ چاہتی ہے کہ حکم میں ایک شمّہ برابر بھی کوئی اس کا حصّے دار نہ ہو۔ تنہا وہی حاکم ہو اور اس کے سوا سب محکوم ہوں۔ کیونکہ کسی دُوسرے کے ہاتھ میں فرماں روائی کے ادنیٰ سے اختیارات ہونے کے معنیٰ بھی بدنظمی اور فساد کے ہیں۔ حکم چلانے کے لیے صرف طاقت ہی درکار نہیں ہے، علم بھی درکار ہے۔ اتنی وسیع نظر درکار ہے کہ تمام کائنات کو بیک وقت دیکھ سکے اور اس کی مصلحتوں کو سمجھ کر احکام جاری کر سکے۔ اگر خداوندِ عالم کے سوا کچھ چھوٹے چھوٹے خدا ایسے ہوتے جو نگاہِ جہاں بیں تو نہ رکھتے، لیکن انھیں دُنیا کے کسی حصّے یا کسی معاملے میں اپنا حکم چلانے کا اختیار حاصل ہوتا، تو یہ زمین و آسمان کا سارا کارخانہ درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔ ایک معمولی مشین کے متعلق بھی آپ جانتے ہیں کہ اگر کسی ایسے شخص کو اس میں دخل اندازی کا اختیار دے دیا جائے، جو اس سے پوری طرح واقف نہ ہو تو وہ اسے بگاڑ کر رکھ دے گا۔ لہٰذا عقل یہ فیصلہ کرتی

ہے، اور زمین و آسمان کے نظامِ سلطنت کا انتہائی باضابطگی کے ساتھ چلنا اس کی گواہی دیتا ہے کہ اس سلطنت کے اختیاراتِ شاہی میں ایک خُدا کے سوا کسی کا ذرّہ برابر حصّہ نہیں ہے۔

یہ صرف ایک واقعہ ہی نہیں ہے، حق یہ ہے کہ خُدا کی خُدائی میں خود خُدا کے سوا کسی کا حکم چلنے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے۔ جن کو اُس نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا ہے، جو اس کی مخلوق ہیں، جن کی ہستی اُس کی عنایت سے قائم ہے جو اس سے بے نیاز ہے، خود اپنے بل بوتے پر ایک لمحے کے لیے بھی موجود نہیں رہ سکتے۔ ان میں سے کسی کی یہ حیثیت کب ہوسکتی ہے کہ خُدائی میں اس کا حصّے دار بن جائے؟ کیا کسی نوکر کو آپ نے ملکیت میں آقا کا شریک ہوتے دیکھا ہے؟ کیا آپ کی عقل میں یہ بات آتی ہے کہ کوئی مالک اپنے غلام کو اپنا ساجھی بنالے؟ کیا خود آپ میں سے کوئی شخص اپنے ملازموں میں سے کسی کو اپنی جائداد میں یا اپنے اختیارات میں حصّے دار بناتا ہے؟ اس بات پر جب آپ غور کریں گے تو آپ کا دل گواہی دے گا کہ خُدا کی اس سلطنت میں کسی بندے کو خود مختارانہ فرماں روائی کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ ایسا ہونا نہ صرف واقعے کے خلاف ہے، نہ صرف عمل اور فطرت کے خلاف ہے، بلکہ حق کے خلاف بھی ہے۔

انسان کی تباہی کا اصل سبب

صاحبو! یہ وہ بنیادی حقیقتیں ہیں، جن پر اس دُنیا کا پورا نظام چل رہا ہے، آپ اس دُنیا سے الگ نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے اندر اس کے ایک جُز کی حیثیت سے رہتے ہیں۔ لہذا آپ کی زندگی کے لیے بھی یہ حقیقتیں اسی طرح بنیادی ہیں، جس طرح کُل جہان کے لیے ہیں۔

آج یہ سوال آپ میں سے ہر شخص کے لیے اور دُنیا کے تمام انسانوں کے لیے ایک پریشان کُن گتھی بنا ہوا ہے، آخر ہم انسانوں کی زندگی سے امن چین کیوں رخصت ہوگیا؟ کیوں آئے دِن ہم پر یہ مصیبتیں نازل ہورہی ہیں؟ کیوں ہماری زندگی کی کل بگڑ گئی ہے، قومیں قوموں سے ٹکرا رہی ہیں۔ ملک ملک میں کھینچا تانی ہورہی ہے، آدمی آدمی کے لیے بھیڑیا بن گیا ہے، لاکھوں انسان لڑائیوں میں برباد ہورہے ہیں، کروڑوں اور اربوں کے کاروبار غارت ہورہے ہیں۔ بستیوں کی بستیاں اُجڑ رہی ہیں۔ طاقتور کمزوروں کو کھائے جاتے ہیں اور مالدار غریبوں کو لوٹے لیتے ہیں۔ حکومت میں ظلم ہے، عدالت میں بے انصافی ہے، دولت میں بدمستی ہے، اقتدار میں غرور ہے، دوستی میں بے وفائی ہے، امانت میں خیانت ہے، اخلاق میں راستی نہیں رہی اور انسان پر سے انسان کا اعتماد اُٹھ گیا۔ مذہب کے جامے میں لامذہبی ہورہی ہے۔ آدم کے بچّے لاتعداد گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ہر گروہ دُوسرے گروہ کو دغا، ظلم اور بے ایمانی، ہر ممکن طریقے سے نقصان پہنچانا کارِ ثواب سمجھ رہا ہے۔ یہ ساری خرابیاں آخر کس وجہ سے ہیں؟ خدا کی خُدائی میں اور جس طرف بھی ہم دیکھتے ہیں امن ہی امن نظر آتا ہے۔ ستاروں میں امن ہے، ہوا میں امن ہے، پانی میں امن ہے اور درختوں اور جانوروں میں امن ہے۔ تمام مخلوق کا انتظام پورے امن کے ساتھ چل رہا ہے، کہیں فساد یا بدنظمی کا نشان نہیں پایا جاتا۔ مگر ایک انسان ہی کی زندگی کیوں اس نعمت سے محروم ہوگئی؟ یہ ایک بڑا سوال ہے، جسے حل کرنے میں لوگوں کو سخت پریشانی پیش آرہی ہے۔ مگر میں پورے اطمینان کے ساتھ اس کا جواب دینا چاہتا ہوں۔ میرے پاس اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ آدمی نے اپنی زندگی کو حقیقت اور واقعہ کے خلاف بنادیا ہے۔ اس لیے وہ تکلیف اُٹھا رہا ہے اور جب تک وہ پھر اسے حقیقت کے مُطابق نہ بنائے گا، کبھی چین نہ پاسکے گا۔ آپ چلتی ہوئی ریل کے دروازے کو اپنے گھر کا دروازہ سمجھ بیٹھیں اور اسے کھول کر بے تکلّف اس طرح باہر نکل آئیں، جیسے اپنے مکان کے صحن میں قدم رکھ رہے ہیں۔ تو آپ کی اس غلط فہمی سے نہ ریل کا دروازہ گھر کا

دروازہ بن جائے گا اور نہ وہ میدان جہاں آپ گریں گے، گھر کا صحن ثابت ہوگا۔ آپ کے اپنی جگہ کچھ سمجھ بیٹھنے سے حقیقت ذرا بھی نہ بدلے گی۔ تیز دوڑتی ہوئی ریل کے دروازے سے جب آپ باہر تشریف لائیں گے تو اس کا جو نتیجہ ظاہر ہونا ہے وہ ظاہر ہو کر ہی رہے گا۔ خواہ ٹانگ ٹوٹنے اور سر پھٹنے کے بعد بھی آپ یہ تسلیم نہ کریں کہ آپ نے جو کچھ سمجھا تھا، غلط تھا، بالکل اسی طرح اگر آپ یہ سمجھ بیٹھیں کہ اِس دُنیا کا کوئی خدا نہیں ہے، یا آپ خود اپنے خُدا بن بیٹھیں، یا خُدا کے سوا کسی اور کی خُدائی مان لیں۔ تو آپ کے ایسا سمجھنے یا مان لینے سے حقیقت ہرگز نہ بدلے گی۔ خُدا خُدا ہی رہے گا۔ اس کی زبردست سلطنت، جس میں آپ محض رعیّت کی حیثیت سے رہتے ہیں، پورے اختیارات کے ساتھ اسی کے قبضے میں رہے گی۔ البتہ آپ اپنی اس غلط فہمی کی وجہ سے جو طرزِ زندگی اختیار کریں گے، اس کا نہایت بُرا خمیازہ آپ کو بھگتنا پڑے گا۔ خواہ آپ تکلیف اُٹھانے کے بعد بھی اپنی اس غلط زندگی کو بجائے خود صحیح ہی سمجھتے رہیں۔

پہلے جو کچھ میں بیان کر چکا ہوں، اسے ذرا اپنی یادداشت میں پھر تازہ کر لیجیے۔ خداوندِ عالم کسی کے بنائے سے خداوند عالم نہیں بنا ہے، وہ اس کا محتاج نہیں ہے کہ آپ اس کی خدائی مانیں تو وہ خدا ہو۔ آپ خواہ مانیں یا نہ مانیں، وہ تو خود خدا ہے۔ اس کی خدائی خود اپنے زور پر قائم ہے۔ اس نے آپ کو اور اس دُنیا کو خود بنایا ہے۔ یہ زمین، یہ چاند اور سُورج اور یہ ساری کائنات اس کے حکم کی تابع ہے۔ اس کائنات میں جتنی قوتیں کام کر رہی ہیں سب اس کے زیرِ حکم ہیں۔ وہ ساری چیزیں جن کے بل پر آپ زندہ ہیں، اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، خود آپ کا اپنا وجود اس کے اختیار میں ہے، آپ اس کو نہ مانیں تب بھی یہ واقعہ ہے، آپ اس سے آنکھیں بند کر لیں۔ تب بھی یہ واقعہ ہے۔ آپ اِس کے سوا کچھ اور سمجھ بیٹھیں، تب بھی یہ واقعہ ہے۔ اِن سب صورتوں میں واقعہ کا تو کچھ بھی نہیں بگڑتا البتہ فرق یہ ہوتا ہے کہ اگر آپ اس واقعے کو تسلیم کر کے اپنی وہی حیثیت قبول کریں جو اس واقعے کے اندر دراصل آپ کی ہے تو آپ کی زندگی درست ہوگی، آپ کو چین ملے گا، اَمن ملے گا، اِطمینان نصیب ہوگا اور آپ کی زندگی کی ساری کَل ٹھیک چلے گی اور اگر آپ نے واقعے کے خلاف کوئی اور حیثیت اختیار کی تو انجام وہی ہوگا جو چلتی ہوئی ریل کے دروازے کو اپنے گھر کا دروازہ سمجھ کر قدم باہر نکالنے کا ہوتا ہے۔ چوٹ آپ خود کھائیں گے۔ ٹانگ آپ کی ٹوٹے گی، سر آپ کا پھٹے گا۔ تکلیف آپ کو پہنچے گی۔ واقعہ جیسا تھا ویسا ہی رہے گا۔

آپ سوال کریں گے کہ اس واقعے کے مطابق ہماری صحیح حیثیت کیا ہے؟ میں چند

لفظوں میں اس کی تشریح کر دیتا ہوں۔ اگر کسی نوکر کو آپ تنخواہ دے کر پال رہے ہوں تو بتایئے اس نوکر کی اصل حیثیت کیا ہے، یہی نا کہ آپ کی نوکری بجا لائے، آپ کے حکم کی اطاعت کرے، آپ کی مرضی کے مطابق کام کرے اور نوکری کی حد سے نہ بڑھے۔ نوکر کا کام آخر نوکری کرنے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ آپ اگر افسر ہوں اور کوئی آپ کا ماتحت ہو، تو ماتحت کا کام کیا ہے؟ یہی نا کہ وہ ماتحتی کرے، افسری کی ہوا میں نہ رہے۔ اگر آپ کسی جائداد کے مالک ہوں، تو اس جائداد میں آپ کی خواہش کیا ہوگی؟ یہی نا کہ اس میں آپ کی مرضی چلے۔ جو کچھ آپ چاہیں وہی اس میں ہو اور آپ کی مرضی کے خلاف پتا نہ ہل سکے۔ آپ پر اگر کوئی بادشاہی مسلّط ہو اور تمام قوتیں اس کے ہاتھ میں ہوں، تو ایسی بادشاہی کی موجودگی میں آپ کی حیثیت کیا ہو سکتی ہے؟ یہی نا کہ آپ سیدھی طرح رعیّت بن کر رہنا قبول کریں اور شاہی قانون کی فرماں برداری سے قدم باہر نہ نکالیں۔ بادشاہ کی سلطنت کے اندر رہتے ہوئے اگر آپ خود اپنی بادشاہی کا دعویٰ کریں گے یا کسی دُوسرے کی بادشاہی مان کر اس کے حکم پر چلیں گے، تو آپ باغی ہوں گے اور باغی کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے وہ آپ کو معلوم ہی ہے۔

ان مثالوں سے آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ خدا کی اس سلطنت میں آپ کی اصل حیثیت کیا ہے؟ آپ کو اس نے بنایا ہے۔ قدرتی طور پر آپ کا کوئی کام اس کے سوا نہیں ہے کہ اپنے بنانے والے کی مرضی پر چلیں، آپ کو وہ پال رہا ہے اور اسی کے خزانے سے آپ تنخواہ لے رہے ہیں۔ آپ کی کوئی حیثیت اس کے سوا نہیں ہے کہ آپ اس کے نوکر ہیں۔ آپ کا اور ساری دنیا کا افسر وہ ہے۔ اس کی افسری میں آپ کی حیثیت ماتحتی کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے؟ یہ زمین اور آسمان سب اس کی جائداد ہیں۔ اِس جائداد میں اس کی مرضی چلے گی اور اسی کی چلنی چاہیے۔ آپ کو یہاں اپنی مرضی چلانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اپنی مرضی آپ چلانے کی کوشش کریں گے تو مُنہ کی کھائیں گے۔ اِس سلطنت میں اس کی بادشاہی اس کے اپنے زور پر قائم ہے، زمین اور آسمان کے سارے محکمے اس کے قبضے میں ہیں۔ اور آپ خواہ راضی ہوں یا ناراض، بہرحال خود آپ اس کی رعیّت ہیں۔ آپ کی اور کسی انسان کی بھی خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، کوئی دُوسری حیثیت رعیّت ہونے کے سوا نہیں ہے۔ اسی کا قانون اس سلطنت میں قانون ہے۔ اور اسی کا حکم حکم ہے۔ رعیّت میں سے کسی کو یہ دعویٰ کرنے کا حق نہیں ہے کہ میں ہز میجسٹی ہوں، یا ہز ہائی نس ہوں، یا ڈکٹیٹر اور مختارِ کل ہوں۔ نہ کِسی شخص، یا پارلیمنٹ، یا اسمبلی یا کونسل کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس سلطنت میں خُدا کے بجائے

خود اپنا قانون بنائے اور خُدا کی رعیّت سے کہے کہ ہمارے اِس قانون کی پیروی کرو۔ نہ کسی انسانی حکومت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ خُدا کے حکم سے بے نیاز ہو کر خدا کے بندوں پر خود اپنا حکم چلائے اور ان سے کہے کہ ہمارے اس حکم کی اطاعت کرو۔ نہ کسی انسان اور نہ کسی انسانی گروہ کے لیے یہ جائز ہے کہ اصل بادشاہ کی رعیّت بننے کے بجائے بادشاہی کے جھوٹے مدّعیوں میں سے کسی کی رعیّت بننا قبول کرے۔ اصل بادشاہ کے قانون کو چھوڑ کر قانون سازوں کا قانون تسلیم کرے اور اصل حکمران سے مُنہ موڑ کر جھوٹ موٹ کی ان حکومتوں کا حکم ماننے لگے، یہ تمام صُورتیں بغاوت کی ہیں بادشاہی کے اختیارات کا دعویٰ کرنا اور ایسے دعوے کو قبول کرنا دونوں حرکتیں رعیّت کے لیے بغاوت کا حکم رکھتی ہیں۔ اور اس کی سزا ان دونوں کو ملنی یقینی ہے خواہ جلد ملے یا دیر میں۔ آپ کی اور ایک ایک انسان کی پیشانی کے بال خدا کی مٹھی میں ہیں۔ وہ جب چاہے پکڑ کر گھسیٹ لے۔ زمین اور آسمان کی اس سلطنت میں بھاگ جانے کی طاقت کسی میں نہیں ہے۔ آپ اس سے بھاگ کر کہیں پناہ نہیں لے سکتے۔ مٹی میں مِل کر اگر آپ کا ایک ایک ذرّہ بھی منتشر ہو جائے، آگ میں جل کر خواہ آپ کی راکھ ہوا میں پھیل جائے، پانی میں بہہ کر خواہ آپ مچھلیوں کی غذا بنیں، یا سمندر کے پانی میں گھل جائیں۔ ہر جگہ سے خدا پکڑ کر آپ کو بُلائے گا۔ ہوا اس کی غلام ہے، زمین اس کی بندی ہے۔ پانی اور اس کی مچھلیاں سب اس کے حکم کی تابع ہیں۔ ایک اشارے پر سب طرف سے آپ پکڑ میں آجائیں گے۔ اور پھر وہ آپ میں سے ایک ایک کو بُلا کر پوچھے گا کہ میری رعیّت ہو کر بادشاہی کا دعویٰ کرنے کا حق تمہیں کہاں سے پہنچ گیا تھا؟ میرے ملک میں اپنا حکم چلانے کے اختیارات تم کہاں سے لائے تھے؟ میری سلطنت میں اپنا قانون جاری کرنے والے تم کون تھے؟ میرے بندے ہو کر دوسروں کی بندگی کرنے پر تم کیسے راضی ہو گئے؟ میرے نوکر ہو کر تم نے دُوسروں کا حکم مانا، مُجھ سے تنخواہ لے کر دُوسروں کو اَن داتا اور رزاق سمجھا، میرے غُلام ہو کر دوسروں کی غلامی کی، میری بادشاہی میں رہتے ہوئے دُوسروں کی شاہی مانی، دُوسروں کے قانون کو قانون سمجھا اور دُوسروں کے فرامین کی اطاعت کی یہ بغاوت کس طرح تمہارے لیے جائز ہو گئی تھی؟ فرمایئے آپ میں سے کس کے پاس اس الزام کا جواب ہے؟ کون سے وکیل صاحب وہاں اپنے قانونی داؤ پیچ سے بچاؤ کی صُورت نکال سکیں گے؟ اور کون سی سفارش پر آپ بھروسا رکھتے ہیں کہ وہ آپ کو اس بغاوت کے جُرم کی سزا بھگتنے سے بچالے گی؟

ظلم کی وجہ

صاحبو! یہاں صرف حق ہی کا سوال نہیں ہے یہ سوال بھی ہے کہ خُدا کی اس خُدائی میں کیا کوئی انسان بادشاہی یا قانون سازی یا حکمرانی کا اہل ہو سکتا ہے۔؟ جیسا کہ ابھی عرض کر چکا ہوں ایک معمولی مشین کے متعلق بھی آپ یہ جانتے ہیں کہ اگر اناڑی شخص جو اس کی مشینری سے واقف نہ ہو، اسے چلائے گا تو اسے بگاڑ دے گا۔ ذرا کسی ناواقف آدمی سے ایک موٹر ہی چلوا کر دیکھ لیجیے۔ ابھی آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس حماقت کا کیا انجام ہوتا ہے۔ آپ خود سوچیے کہ لوہے کی ایک مشین کا حال جب یہ ہے کہ صحیح عِلم کے بغیر اس کو استعمال نہیں کیا جا سکتا تو انسان جس کی نفسیات انتہا درجے کے پیچیدہ ہیں، جس کی زندگی کے معاملات بے شمار پہلو رکھتے ہیں اور ہر پہلو میں لاکھوں گتھیاں ہیں، اس کی پیچ در پیچ مشینری کو وہ لوگ کیا چلا سکتے ہیں جو دوسروں کو جاننا اور سمجھنا تو درکنار خود اپنے آپ کو بھی اچھی طرح نہیں جانتے، سمجھتے۔ ایسے اناڑی جب قانون ساز بن بیٹھیں گے اور ایسے نادان جب انسانی زندگی کی ڈرائیوری کرنے پر آمادہ ہوں گے تو کیا اس کا انجام کسی اناڑی شخص کے موٹر چلانے کے انجام سے کُچھ بھی مختلف ہو سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ جہاں خُدا کے بجائے انسانوں کا بنایا ہوا قانون مانا جا رہا ہے اور جہاں خدا کی اطاعت سے بے نیاز ہو کر انسان حکم چلا رہے ہیں اور انسان ان کا حکم مان رہے ہیں، وہاں کسی جگہ بھی امن نہیں ہے، کسی جگہ بھی آدمی کو چین نصیب نہیں، کسی جگہ بھی انسانی زندگی کی کل سیدھی نہیں چلتی۔ کُشت و خون ہو رہے ہیں، ظلم اور بے انصافی ہو رہی ہے، لوٹ کھسوٹ برپا ہے۔ آدمی کا آدمی خون چوس رہا ہے، اخلاق تباہ ہو رہے ہیں، صحتیں برباد ہو رہی ہیں، تمام طاقتیں جو خُدا نے انسان کو دی تھیں، انسان کے فائدے کے بجائے اس کی تباہی اور بربادی میں صرف ہو رہی ہیں۔ یہ مستقل دوزخ جو اسی دنیا میں انسان نے اپنے لیے اپنے ہاتھوں بنالی ہے اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اس نے بچّوں کی طرح شوق میں آکر اس مشین کو چلانے کی کوشش کی، جس کے کل پُرزوں سے وہ واقف ہی نہیں۔ اس مشین کو جس نے بنایا ہے وہی اس کے رازوں کو جانتا ہے، وہی اس کی فطرت سے واقفیت رکھتا ہے، اسی کو ٹھیک ٹھیک معلوم ہے کہ یہ کس طرح صحیح چل سکتی ہے۔ اگر آدمی اپنی حماقت سے باز آجائے اور اپنی جہالت تسلیم کر کے اس قانون کی پابندی کرنے لگے جو خود اس مشین کے بنانے والے نے مقرّر کیا ہے، تب تو جو کچھ بگڑا ہے وہ پھر بن سکتا ہے۔ ورنہ ان مصیبتوں کا کوئی حل ممکن نہیں ہے۔

بے انصافی کیوں ہے؟

آپ ذرا اور گہری نظر سے دیکھیں تو آپ کو جہالت کے سوا اپنی زندگی کے بگاڑ کی ایک اور وجہ بھی نظر آئے گی۔

ذرا سی عقل یہ بات سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ انسان کسی ایک شخص یا ایک خاندان یا ایک قوم کا نام نہیں ہے۔ تمام دُنیا کے انسان بہر حال انسان ہیں۔ تمام انسانوں کو جینے کا حق ہے، سب اِس کے حقدار ہیں کہ اُن کی ضرورتیں پوری ہوں۔ سب امن کے، انصاف کے، عزّت اور شرافت کے مستحق ہیں۔ انسانی خوش حالی اگر کسی چیز کا نام ہے تو وہ کسی ایک شخص یا خاندان یا قوم کی خوش حالی نہیں بلکہ تمام انسانوں کی خوش حالی ہے۔ ورنہ ایک خوش حال ہو اور دس بد حال ہوں، تو آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ انسان خوش حال ہے۔ فلاح اگر کسی چیز کو کہتے ہیں تو وہ تمام انسانوں کی فلاح ہے، نہ کہ کسی ایک طبقے کی یا ایک قوم کی۔ ایک کی فلاح اور دس کی بربادی کو آپ، انسانی فلاح نہیں کہہ سکتے۔ اس بات کو اگر آپ صحیح سمجھتے ہیں تو غور کیجیے کہ انسانی فلاح اور خوش حالی کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ میرے نزدیک اس کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ انسان کی زندگی کے لیے قانون وہ بنائے جس کی نظر میں تمام انسان یکساں ہوں۔ سب کے حقوق انصاف کے ساتھ وہ مقرر کرے جو نہ تو خود اپنی کوئی ذاتی غرض رکھتا ہو اور نہ کسی خاندان یا طبقے کی یا کسی ملک و قوم کی اغراض سے وابستہ ہو۔ سب کے سب حکم اس کا مانیں، جو حکم دینے میں نہ اپنی جہالت کی وجہ سے غلطی کرے، نہ اپنی خواہش کی بنا پر حکمرانی کے اختیارات سے ناجائز فائدہ اُٹھائے اور نہ ایک کا دشمن اور دوسرے کا دوست، ایک کا طرف دار اور دوسرے کا مخالف، ایک کی طرف مائل اور دوسرے سے منحرف ہو۔ صرف اسی صورت میں عدل قائم ہو سکتا ہے اسی طرح تمام انسانوں، تمام قوموں، تمام طبقوں اور تمام گروہوں کو ان کے جائز حقوق پہنچ سکتے ہیں۔ اور یہی ایک صورت ہے، جس سے ظلم مٹ سکتا ہے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ دُنیا میں کوئی انسان بھی ایسا بے لاگ، ایسا غیر جانبدار، ایسا بے غرض اور اس قدر انسانی کمزوریوں سے بالاتر ہو سکتا ہے؟ شاید آپ میں سے کوئی شخص میرے اس سوال کا جواب اثبات میں دینے کی جرأت نہ کرے گا۔ یہ شان صرف خدا ہی کی ہے، کوئی دوسرا اس شان کا نہیں ہے۔ انسان خواہ کتنے ہی بڑے دل گُردے کا ہو،

بہر حال وہ اپنی کچھ ذاتی اغراض رکھتا ہے، کچھ دلچسپیاں رکھتا ہے، کسی سے اس کا تعلق زیادہ ہے اور کسی سے کم، کسی سے محبت ہے اور کسی سے نہیں ہے، کسی سے اس کو وابستگی ہے اور کسی سے نہیں ہے۔ ان کمزوریوں سے کوئی انسان پاک نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں خدا کے بجائے انسانوں کا قانون مانا جاتا ہے اور خدا کے بجائے انسانوں کے حکم کی اطاعت کی جاتی ہے، وہاں کسی نہ کسی صورت میں ظلم اور بے انصافی ضرور موجود ہے۔

ان شاہی خاندانوں کو دیکھیے، جو زبردستی اپنی طاقت کے بل بوتے پر امتیازی حیثیت حاصل کیے ہوئے ہیں۔ اُنھوں نے اپنے لیے وہ عزّت، وہ ٹھاٹھ، وہ آمدنی، وہ حقوق اور وہ اختیارات مخصوص کر رکھے ہیں، جو دوسروں کے لیے نہیں ہیں۔ یہ قانون سے بالاتر ہیں۔ ان کے خلاف کوئی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ چاہے کچھ کریں، ان کے مقابلے میں کوئی چارہ جوئی نہیں کی جا سکتی۔ کوئی عدالت ان کے نام سمن نہیں بھیج سکتی۔ دُنیا دیکھتی ہے کہ یہ غلطیاں کرتا ہے مگر کہا یہ جاتا ہے اور ماننے والے بھی مان لیتے ہیں کہ بادشاہ غلطی سے پاک ہے۔ دُنیا دیکھتی ہے کہ یہ معمولی انسان ہیں، جیسے اور سب انسان ہوتے ہیں، مگر یہ خدا بن کر سب سے اونچے بیٹھتے ہیں اور لوگ ان کے سامنے یوں ہاتھ باندھے، سر جھکائے، ڈرے سہمے کھڑے رہتے ہیں گویا ان کا رزق، ان کی زندگی، ان کی موت سب ان کے ہاتھ میں ہے۔ یہ رعایا کا پیسہ اچھے اور بُرے ہر طریقے سے گھسیٹتے ہیں اور اسے اپنے محلوں پر، اپنی سواریوں پر، اپنے عیش و آرام اور اپنی تفریحوں پر بے دریغ لٹاتے ہیں۔ ان کے کتّوں کو وہ روٹی ملتی ہے جو کما کر دینے والی رعایا کو نصیب نہیں ہوتی۔ کیا یہ انصاف ہے؟ کیا یہ طریقہ کسی ایسے عادل کا مقرر کیا ہوا ہو سکتا ہے جس کی نگاہ میں سب انسانوں کے حقوق اور مفاد یکساں ہوں؟

ان برہمنوں اور پیروں کو دیکھیے، ان نوابوں اور رئیسوں کو دیکھیے، ان جاگیرداروں اور زمینداروں کو دیکھیے، ان ساہوکاروں اور مہاجنوں کو دیکھیے، یہ سب طبقے اپنے آپ کو عام انسانوں سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ ان کے زور و اثر سے جتنے قوانین دنیا میں بنے ہیں وہ انھیں ایسے حقوق دیتے ہیں جو عام انسانوں کو نہیں دیئے گئے۔ یہ پاک ہیں اور دوسرے ناپاک، یہ شریف ہیں اور دوسرے کمین، یہ اُونچے ہیں اور دوسرے نیچے، یہ لوٹنے کے لیے ہیں اور دوسرے لٹنے کے لیے۔ ان کے نفس کی خواہشوں پر لوگوں کی جان، مال، عزّت، آبرو، ہر ایک چیز قربان کر دی جاتی ہے۔

کیا یہ ضابطے کسی منصف کے بنائے ہوئے ہوسکتے ہیں؟ کیا اِن میں صریح طور پر خودغرضی اور جانب داری نظر نہیں آتی؟

ان حاکم قوموں کو دیکھیے جو اپنی طاقت کے بل پر دوسری قوموں کو غلام بنائے ہوئے ہیں۔ ان کا کون سا قانون اور کون سا ضابطہ ایسا ہے، جس میں خودغرضی شامل نہیں ہے؟ یہ اپنے آپ کو انسانِ اعلیٰ کہتے ہیں۔ بلکہ درحقیقت صرف اپنے ہی کو انسان سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک کمزور قوموں کے لوگ یا تو انسان ہی نہیں ہیں یا اگر ہیں تو ادنیٰ درجے کے ہیں۔ یہ ہر حیثیت سے اپنے آپ کو دُوسروں سے اونچا ہی رکھتے ہیں اور اپنی اغراض پر دوسروں کے مفاد کو قربان کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ ان کے زور واثر سے جتنے قوانین اور ضوابط دُنیا میں بنے ہیں، ان سب میں یہ رنگ موجود ہے۔

یہ چند مثالیں میں نے محض اشارے کے طور پر دی ہیں۔ تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ میں صرف یہ بات آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں کہ دُنیا میں جہاں بھی انسان نے قانون بنایا ہے، وہاں بے انصافی ضرور ہوئی ہے۔ کچھ انسانوں کو ان کے جائز حقوق سے بہت زیادہ دیا گیا ہے اور کچھ انسانوں کے حقوق نہ صرف پامال کیے گیے ہیں بلکہ انھیں انسانیت کے درجے سے گرا دینے میں بھی تامّل نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ انسان کی یہ کمزوری ہے کہ وہ جب کسی معاملے کا فیصلہ کرنے بیٹھتا ہے تو اس کے دل و دماغ پر اپنی ذات یا اپنے خاندان یا اپنی نسل، یا اپنے طبقے، یا اپنی قوم ہی کے مفاد کا خیال مسلّط رہتا ہے۔ دوسروں کے حقوق اور مفاد کے لیے اس کے پاس وہ ہمدردی کی نظر نہیں ہوتی جو اپنوں کے لیے ہوتی ہے۔ مجھے یہ بتائیے کیا اس بے انصافی کا کوئی علاج اس کے سوا ممکن ہے کہ تمام انسانی قوانین کو دریا بُرد کر دیا جائے اور اس خدا کے قانون کو ہم سب تسلیم کرلیں جس کی نگاہ میں ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ فرق اگر ہے تو صرف اس کے اخلاق، اس کے اعمال اور اس کے اوصاف (MERITS) کے لحاظ سے ہے نہ کہ نسل یا طبقہ یا قومیت کے لحاظ سے؟

امن کس طرح قائم ہوسکتا ہے؟

صاحبو! اس معاملے کا ایک اور پہلو بھی ہے، جسے میں نظر انداز نہیں کرسکتا۔ آپ جانتے ہیں کہ آدمی کو قابو میں رکھنے والی چیز صرف ذمّے داری کا احساس ہی ہے۔ اگر کسی شخص کو یہ یقین ہوجائے کہ وہ جو چاہے کرے، کوئی اس سے جواب طلب کرنے والا نہیں ہے اور نہ اُس کے اوپر کوئی ایسی طاقت ہے جو اسے سزا دے سکے، تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ شتر بے مہار بن جائے گا۔ یہ بات جس طرح ایک شخص کے معاملے میں صحیح ہے، اسی طرح ایک خاندان، ایک طبقے، ایک قوم اور تمام دُنیا کے انسانوں کے معاملے میں بھی صحیح ہے۔ ایک خاندان جب یہ محسوس کرتا ہے کہ اس سے کوئی جواب طلب نہیں کرسکتا تو وہ قابو سے باہر ہوجاتا ہے۔ ایک طبقہ بھی جب ذمے داری اور جواب دہی سے بے خوف ہوجاتا ہے، دوسروں پر ظلم ڈھانے میں اسے کوئی تامّل نہیں ہوتا، ایک قوم یا ایک سلطنت بھی جب اپنے آپ کو اتنا طاقت ور پاتی ہے کہ اپنی زیادتی کے کسی بُرے نتیجے کا خوف اسے نہیں ہوتا تو وہ جنگل کے بھیڑیے کی طرح کمزور بکریوں کو پھاڑنا اور کھانا شروع کر دیتی ہے۔ دُنیا میں جتنی بدامنی پائی جاتی ہے، اس کی ایک بڑی وجہ یہی ہے۔ جب تک انسان اپنے سے بالاتر کسی اقتدار کو تسلیم نہ کرے اور جب تک اسے یقین نہ ہو کہ مجھ سے اوپر کوئی ایسا ہے، جس کو مجھے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے اور جس کے ہاتھ میں اتنی طاقت ہے کہ مجھے سزا دے سکتا ہے، اس وقت تک یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ ظلم کا دروازہ بند ہو، اور صحیح امن قائم ہوسکے۔

اب مجھے بتائیے کہ ایسی طاقت سوائے خداوند عالم کے اور کون سی ہوسکتی ہے؟ خود انسانوں میں سے تو کوئی ایسا نہیں ہوسکتا، کیوں کہ جس انسانی گروہ کو بھی آپ یہ حیثیت دیں گے، خود اس کے شترِ بے مہار ہوجانے کا امکان ہے۔ خود اس سے اندیشہ ہے کہ تمام فرعونوں کا ایک فرعون وہ ہوجائے گا اور خود اس سے یہ خطرہ ہے کہ خودغرضی اور جانب داری سے کام لے کر وہ بعض انسانوں کو گرائے گا، اور بعض کو اُٹھائے گا۔ یورپ نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے مجلس اقوام بنائی تھی۔ مگر بہت جلد وہ سفید رنگ والی قوموں کی مجلس بن کر رہ گئی۔ اور اس نے چند طاقت ور سلطنتوں کے ہاتھ میں کھلونا بن کر کمزور قوموں کے ساتھ بے انصافی شروع کر دی۔ اس تجربے

کے بعد اس امر میں کوئی شک باقی نہیں رہ سکتا کہ خود انسانوں کے اندر سے کوئی ایسی طاقت برآمد ہونی ناممکن ہے جس کی باز پُرس کا خوف فرداً فرداً ایک شخص سے لے کر دُنیا کی قوموں اور سلطنتوں تک کو قابو میں رکھ سکتا ہو۔ ایسی طاقت لامحالہ انسانی دائرے سے باہر اور اس سے اُوپر ہی ہونی چاہیے، اور وہ صرف خداوندِ عالم ہی کی طاقت ہوسکتی ہے۔ ہم اگر اپنی بھلائی چاہتے ہیں، تو ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہٗ کار نہیں کہ خدا پر ایمان لائیں، اس کی حکومت کے آگے اپنے آپ کو فرماں بردار رعیت کی طرح سپرد کر دیں، اور اس یقین کے ساتھ دنیا میں زندگی بسر کریں کہ وہ بادشاہ ہمارے کھلے اور چھپے سب کاموں کو جانتا ہے اور ایک دن ہمیں اس کی عدالت میں اپنی پوری زندگی کے کارنامے کا حساب دینا ہے۔ ہمارے شریف اور پُرامن انسان بننے کی بس یہی ایک صورت ہے۔

ایک شُبہ

اب میں اپنے خطبے کو ختم کرنے سے پہلے ایک شبہ کو صاف کر دینا ضروری سمجھتا ہوں، جو غالباً آپ میں سے ہر ایک کے دل میں پیدا ہو رہا ہوگا۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ جب خدا کی حکومت اتنی زبردست ہے کہ خاک کے ایک ذرّے سے لے کر چاند اور سُورج تک ہر چیز اس کے قابو میں ہے اور جب انسان اس کی حکومت میں محض ایک رعیّت کی حیثیت رکھتا ہے، تو آخر یہ ممکن کس طرح ہوا کہ انسان اس کی حکومت کے خلاف بغاوت کرے اور خود اپنی بادشاہی کا اعلان کر کے اس کی رعیّت پر اپنا قانون چلائے؟ کیوں نہیں خُدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا اور کیوں اسے سزا نہیں دیتا؟

اس سوال کا جواب میں چند مختصر الفاظ میں دوں گا۔

اصل یہ ہے کہ خدا کی حکومت میں انسان کی حیثیت قریب قریب ایسی ہے، جیسے ایک بادشاہ کسی شخص کو اپنے ملک کے کسی ضلع کا افسر بنا کر بھیجتا ہے۔ ملک بادشاہ ہی کا ہوتا ہے، رعیّت بھی اسی کی ہوتی ہے، ریل، ٹیلیفون، تار، فوج، اور دُوسری تمام طاقتیں بادشاہ ہی کے ہاتھ میں رہتی ہیں اور بادشاہ کی سلطنت اس ضلع پر چاروں طرف سے اس طرح چھائی ہوئی ہوتی ہے کہ اس چھوٹے سے ضلع کا افسر اس کے مقابلے میں بالکل عاجز ہوتا ہے۔ اگر بادشاہ چاہے تو اس کو پوری طرح مجبور کر سکتا ہے کہ اس کے حکم سے بال برابر مُنہ نہ موڑ سکے۔ لیکن بادشاہ اس افسر کی عقل کا، اس کے ظرف کا، اور اس کی لیاقت کا امتحان لینا چاہتا ہے، اس لیے وہ اس پر سے اپنی گرفت اتنی ڈھیلی کر دیتا ہے کہ اسے اپنے اوپر کوئی بالاتر اقتدار محسوس نہیں ہوتا۔ اب اگر وہ افسر عقل مند، نمک حلال، فرض شناس اور وفادار ہے، تو اس ڈھیلی گرفت کے باوجود اپنے آپ کو رعیّت اور ملازم ہی سمجھتا رہتا ہے۔ بادشاہ کے ملک میں اسی کے قانون کے مطابق حکومت کرتا ہے اور بادشاہ نے جو اختیارات اسے دیے ہیں، انھیں خود بادشاہ کی مرضی کے موافق استعمال کرتا ہے۔ اس کے وفادارانہ طرزِ عمل سے اس کی اہلیّت ثابت ہو جاتی ہے، اور بادشاہ اسے زیادہ بلند مرتبوں کے قابل پا کر ترقیوں پر ترقیاں دیتا چلا جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ افسر بے وقوف، نمک حرام اور شریر ہو، اور رعیت کے وہ لوگ جو اس ضلع میں رہتے ہیں، جاہل اور نادان ہوں تو اپنے اوپر سلطنت کی

گرفت ڈھیلی پا کر وہ بغاوت پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس کے دماغ میں خودمختاری کی ہوا بھر جاتی ہے۔ وہ خود اپنے آپ کو ضلع کا مالک سمجھ کر خود سرانہ حکومت کرنے لگتا ہے اور جاہل رعیّت کے لوگ محض یہ دیکھ کر اس کی خودسرانہ حکومت تسلیم کر لیتے ہیں کہ تنخواہ یہ دیتا ہے، پولس اس کے پاس ہے، عدالتیں اس کے ہاتھ میں ہیں، جیل کی ہتھکڑیاں اور پھانسی کے تختے اس کے قبضے میں ہیں اور ہماری قسمت کو بنانے یا بگاڑنے کے اختیارات یہ رکھتا ہے۔ بادشاہ اس اندھی رعیّت اور اس باغی افسر دونوں کے طرزِ عمل کو دیکھتا رہتا ہے، چاہے تو فوراً پکڑ لے اور ایسی سزا دے کہ ہوش ٹھکانے نہ رہیں۔ مگر وہ ان دونوں کی پوری آزمائش کرنا چاہتا ہے، اس لیے وہ نہایت تحمّل اور بردباری کے ساتھ انھیں ڈھیل دیتا چلا جاتا ہے۔ تاکہ جتنی نالائقیاں ان کے اندر بھری ہوئی ہیں، پوری طرح ظاہر ہو جائیں، اس کی طاقت اتنی زبردست ہے کہ اسے اس بات کا کوئی خوف ہی نہیں ہے کہ یہ افسر کبھی زور پکڑ کر اس کا تخت چھین لے گا۔ اسے اس بات کا بھی کوئی اندیشہ نہیں کہ یہ باغی اور نمک حرام لوگ اس کی گرفت سے نکل کر کہیں بھاگ جائیں گے اس لیے اسے جلد بازی کے ساتھ فیصلہ کر دینے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ سالہا سال بلکہ صدیوں تک ڈھیل دیتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب یہ لوگ اپنی پوری خباثت کا اظہار کر چکتے ہیں، اور کوئی کسر اس کے اظہار میں باقی نہیں رہتی، تب وہ ایک روز اپنی عذاب ان پر بھیجتا ہے اور وہ ایسا وقت ہوتا ہے کہ کوئی تدبیر اس وقت انھیں اس کے عذاب سے نہیں بچا سکتی۔

صاحبو! میں اور آپ اور خدا کے بنائے ہوئے یہ افسر، سب کے سب اسی آزمائش میں مبتلا ہیں۔ ہماری عقل کا، ہمارے ظرف کا، ہماری فرض شناسی کا، ہماری وفاداری کا سخت امتحان ہو رہا ہے۔ اب ہم میں سے ہر شخص کو خود فیصلہ کرنا چاہیے کہ وہ اپنے اصل بادشاہ کا نمک حلال افسر یا رعیّت بننا پسند کرتا ہے، یا نمک حرام۔ میں نے اپنی جگہ نمک حلالی کا فیصلہ کر لیا ہے، اور میں ہر اس شخص سے باغی ہوں، جو خدا سے باغی ہے۔ آپ اپنے فیصلے میں مختار ہیں، چاہے یہ راستہ اختیار کریں یا وہ۔ ایک طرف وہ نقصانات اور وہ فائدے ہیں، جو خدا کے یہ باغی ملازم پہنچا سکتے ہیں اور دوسری طرف وہ نقصانات اور وہ فائدے ہیں، جو خود خدا پہنچا سکتا ہے، دونوں میں سے جس کو آپ انتخاب کرنا چاہیں، کر سکتے ہیں۔

چند اہم و قابلِ مطالعہ کتابیں

- اسلامی قانون — مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
- اعتدال: اسلامی شریعت کا مزاج — ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی
- اسلام کیسے پھیلا؟ — مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
- غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق — مولانا سید جلال الدین عمری
- جہاد فی سبیل اللہ — مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
- حالات حاضرہ اور ہماری ذمے داریاں — مولانا ابواللیث ندویؒ
- خطبۂ مدراس — مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
- قومی یکجہتی اور اسلام — ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری
- مسئلۂ قومیت — مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
- ملک وملت کے چند قابل توجہ مسائل — مولانا ابواللیث ندویؒ
- ملک وملت کے مسائل اور ان کا حل — مولانا ابواللیث ندویؒ
- ملک وملت کے مسائل اور مسلمانوں کی ذمے داریاں — مولانا ابواللیث ندویؒ
- ہندستان کا صنعتی زوال اور اس کے اسباب — مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
- ہندستان کے فسادات اور ان کا علاج — نعیم صدیقی
- ہندستان کے لیے مستقبل کا نقشۂ عمل — پروفیسر عبدالمغنی
- ہندستان میں اسلام کی دعوت — مولانا سید جلال الدین عمری
- ہندستان میں فرقہ وارانہ فسادات کا مسئلہ — مولانا سید حامد علیؒ
- یہ ملک کدھر جا رہا ہے؟ — مولانا سید جلال الدین عمری
- گلوبلائزیشن اور اس کے معاشی وثقافتی اثرات — ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی
- ملک وملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمے داریاں — مولانا سید جلال الدین عمری
- دہشت گردی اور اسلامی تعلیمات — مفتی محمد مشتاق تجارویؒ
- اسلام اور دہشت گردی — ڈاکٹر سید عبدالباری

کتاب	مصنف
تشدد: اسباب ومحرکات	مولانا محمد سراج الحسن، مولانا سید جلال الدین عمری، ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی، پروفیسر خورشید احمد
شہادت حق	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
دعوت اسلامی کیا ہے؟	شعبۂ تنظیم
جماعت اسلامی کی دعوت	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
جماعت اسلامی ہند: حقائق اور الزامات	مولانا ابواللیث ندویؒ
جماعت اسلامی ہند کیا ہے اور کیا نہیں ہے؟	شعبۂ تنظیم
جماعت اسلامی ہند اور ملک وملت کی تعمیر میں اس کا رول	افضل حسینؒ
جماعت اسلامی ہند کیا چاہتی ہے؟	ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی
جماعت اسلامی ہند: پس منظر، خدمات اور طریق کار	مولانا سید جلال الدین عمری
تحریک اسلامی دوسری اجتماعی تحریکوں کے مقابلے میں	نعیم صدیقی
تحریک اسلامی — کامیابی کے شرائط	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
تحریک اسلامی میں کارکنوں کے باہمی تعلقات	خرم مرادؒ
تشکیل جماعت اسلامی ہند۔ کیوں اور کیسے؟	مولانا ابواللیث ندویؒ
روداد اجتماع رام پور	شعبۂ تنظیم
روداد جماعت اسلامی (اول)	شعبۂ تنظیم
روداد جماعت اسلامی (دوم)	شعبۂ تنظیم
روداد جماعت اسلامی (سوم)	شعبۂ تنظیم
روداد جماعت اسلامی (چہارم)	شعبۂ تنظیم
روداد جماعت اسلامی (پنجم)	شعبۂ تنظیم
روداد مجلس شوریٰ (اول)	شعبۂ تنظیم
روداد مجلس شوریٰ (دوم)	شعبۂ تنظیم
مرکزی مجلس شوریٰ جماعت اسلامی ہند کی قراردادیں	شعبۂ تنظیم
مختصر تاریخ جماعت اسلامی ہند	محمد شفیع مونس

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۰۳-۱۹۷۹) بیسوی صدی عیسوی کے عظیم المرتبت اسلامی اسکالر، رفیع الشان مصنف، انقلابی مفکر اور صاحبِ عزم وثبات قائد و رہ نما تھے۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی اعلائے کلمۃ الحق اور اسلام کے غلبہ وقیام کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ ایک تحریک ـــــ جماعتِ اسلامی ـــــ کی بنا ڈالی، جو ۱۹۴۱ سے پوری یک سوئی اور تن دہی کے ساتھ اپنے نصب العین کے حصول کے لیے ساعی وکوشاں ہے۔ متعدد بار جیل گئے، ۱۹۵۳ میں ختم نبوت سے متعلق ایک مضمون لکھنے کی پاداش میں پھانسی کی سزا بھی تجویز ہوئی، لیکن کبھی ان کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی۔

مولانا مودودیؒ ۲۵/ستمبر ۱۹۰۳ (۳/رجب المرجب ۱۳۲۱ ہجری) کو اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محترم سید احمد حسن مودودیؒ ایک محتاط وکیل اور ذاکر و شاغل بزرگ تھے، مولانا شاہ محی الدینؒ سے انھیں شرف بیعت حاصل تھا، والدہ محترمہ رقیہ خاتونؒ بھی ایک دین دار وخدا ترس خاتون اور اس عہد کے نام ور شاعر مرزا قربان علی بیگ سالک دہلوی (تلمیذ غالب) کی بیٹی تھیں۔ مولانا نے قاعدہ بغدادی سے لے کر قرآن ناظرہ، اردو، فارسی اور عربی کی تعلیم گھر ہی پر حاصل کی۔ عربی زبان کی صرف ونحو اور فقہ وحدیث کی بعض کتابیں بھی گھر پر ہی مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ انگریزی ایک نومسلم انگریز سے سیکھی۔ گھر پر مناسب تعلیم حاصل کر لینے کے بعد اورنگ آباد کے مدرسہ فوقانیہ میں داخلہ لیا۔ ۱۳/سال کی عمر میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ حدیث میں صحاح اور فقہ ومعقولات کی کتابیں دہلی میں مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ، مولانا شریف اللہ خاںؒ اور علامہ عبدالسلام نیازیؒ سے پڑھیں۔

مولانا نے ۱۰۰ سے زائد کتابیں لکھیں، جن میں تفہیم القرآن، تفہیم الاحادیث، سنت کی آئینی حیثیت، خطبات، دینیات، تفہیمات، رسائل ومسائل، خلافت وملوکیت، سود، اور حقوق الزوجین ان کی اہم تصانیف سمجھی جاتی ہیں۔ دنیا کی کم وبیش چالیس زبانوں میں ان کے ترجمے ہو چکے ہیں۔